۱۷؍ فروری ۱۹۰۸ء

مسجد اقصیٰ

خطبہ نکاح

(حضرت حکیم الامت نے صاحبزادی مبارکہ بیگم صاحبہ کا نکاح ۱۷؍ فروری ۱۹۰۸ء کو ۵۶ ہزار (روپیہ) مہر پر نواب محمد علی خانصاحب رئیس مالیر کوٹلہ سے مسجد اقصیٰ میں پڑھا۔ (ایڈیٹر)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَ نَسْتَعِیْنُہٗ وَ نَسْتَغْفِرُہٗ وَ نُؤْمِنُ بِہٖ وَ نَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَ مِنْ سَیِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَ مَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ۔ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ۔ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔

مسنونہ آیات کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

نکاح نام ہے اس تقریب کا جب کسی عورت یا لڑکی کا کسی مرد کے ساتھ رشتہ یا عقد کیا جاتا ہے۔ اس میں اولاً اللہ تعالیٰ کی رضامندی دیکھ لی جاتی ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجازت ہے یا نہیں؟

پھر یہ دیکھا جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم کے ضابطہ اور عملدر آمد کے موافق ہے یا نہیں؟ پھر لڑکیوں کے ولی کی رضامندی ضروری ہے۔ اگر ولی رضامند نہ ہوں اور پھر کوئی نکاح ہو تو ایسے نکاح بدیوں میں مل جاتے ہیں اور ان کے نتائج خراب اور ناگوار ہوتے ہیں۔ ایسا ہی لڑکوں اور لڑکیوں کی رضامندی بھی ضروری ہے۔ ان پانچ رضامندیوں کے بعد گویا نکاح ہوتا ہے اور اگر ان میں کسی ایک کی بھی نارضامندی اور مخالفت ہو تو پھر اس میں مشکلات پیدا ہوتے ہیں۔ یہ پانچ رضامندیاں کیا ہیں؟ حق سبحانہ تعالیٰ کی اجازت۔ یعنی ان رشتوں میں (سے) نہ ہو جن کی ممانعت کی گئی ہے۔ مہبط وحی جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کا عملدر آمد۔ ولیوں اور طرفین کی رضامندی کے بعد جب ایک فریق منظور کرتا ہے اور دوسرا اس کو قبول کرتا ہے تو یہ نکاح ہوتا ہے۔ قسم قسم کی بدیوں اور شرارتوں کو روکنے کے لئے اعلان اور خطبہ نکاح آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم کی عادت تھی۔ اعلان نکاح میں دوست دشمن کو خبر ہو جاتی ہے اور اس سے جہاں ایک دوسرے کی غلطیوں سے آگاہی ہو جاتی ہے وہاں وراثتوں اور جائدادوں کے جھگڑوں میں کوئی دقت پیدا نہیں ہوتی۔

اور خطبہ کے کئی اغراض ہیں۔ ان میں سے ایک تو یہ ہے کہ عربی زبان کی حفاظت۔ سو یہ زبان ایسی زبان ہے جس کے ساتھ دین' رسول اور قوم رسول کا تعلق ہے۔ خدا تعالیٰ کی کتاب اسی زبان میں ہے۔ اس کتاب کی حفاظت کے مختلف سامان اور ذریعے ہیں۔ ان میں سے ایک اس زبان کی حفاظت بھی ہے۔ اس لئے اس کو مسلمانوں کے تمام عظیم الشان کاموں سے تعلق ہے۔ ان کے دینی عظیم الشان کام نماز' اقرار باللسان' حج' روزہ' زکوٰۃ ہیں۔ سوشل معاملات میں نکاح سب سے بڑا کام ہے۔ تمدنی امور میں تجارت' زراعت بھی اعلیٰ کام ہیں۔

ان سب امور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم' صحابہ' تابعین' تبع تابعین' ائمہ دین' اولیاء امت' سلف صالحین اور حضرت امام الزمان نے کچھ نہ کچھ الفاظ عربی زبان کے لازمی قرار دیئے ہیں۔ مثلاً اقرار باللسان میں لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔

امام صاحب جب بیعت لیتے ہیں تو بہت سے عربی الفاظ بیان فرماتے اور معاہدہ لیتے ہیں۔ عربی کے الفاظ کی سنت متوارثہ کو مجدد الوقت نے بیعت کے الفاظ اور معاہدات میں لازم رکھا ہے۔ عورتوں کی بیعت میں بھی میں نے سنا ہے ایسا ہی کرتے ہیں اور مردوں کی بیعت میں تو دیکھا ہے۔

اقرار باللسان کے بعد اعلیٰ شان کی چیز نماز ہے۔ اگر کسی نے ضائع کی تو اس نے اپنا دین ضائع کیا۔ اور سچ تو یہ ہے کہ کفر اور اسلام کا تفرقہ اسی میں واقع ہوا ہے۔ اس کا سارا ہی حصہ دیکھ لو۔ سوائے اس حصہ

کے جو انسانی ضرورتوں' حاجتوں اور مشکلات کے لئے دعاؤں کا ہے' اس کے لئے امام نے اجازت دی ہے کہ اپنی زبان میں دعائیں مانگ لو۔ اور اس سے پہلے امام ابو حنیفہؒ نے بھی اجازت دی ہے۔ مگر پھر بھی اگرچہ ضرورتاً اپنی زبان میں دعاؤں کی اجازت تو دی ہے لیکن مسنون دعاؤں کے ساتھ عربی کو ضائع نہیں کیا۔ یہ اجازت نہیں دی کہ نماز اپنی زبان میں پڑھو۔ ایسا ہی حج میں لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ (بخاری کتاب الحج باب التلبیہ) وغیرہ کلمات عربی میں ہیں۔ جمعہ کے خطبے' عیدین کے خطبے تم نے سنے ہیں۔ ایک حصہ عربی میں ہوتا ہے۔ اسی طرح روزہ کے متعلق جو دعائیں ہیں وہ عربی میں ہیں۔ اسی طرح ہر ایک کام میں یہاں تک کہ بول و براز کے وقت کے لئے بھی ایک حصہ عربی کا رکھا ہے۔ ایسا ہی خطبہ نکاح جو جوانوں' بڈھوں کے لئے لازمی ہے' اس میں بھی عربی کا ایک حصہ رکھا ہے۔ بنوامیہ نے عربی زبان کی وسعت اور حفاظت میں بڑی کوشش کی کہ انہوں نے اپنی سلطنت میں اس کو مادری زبان بنا دیا یہاں تک کہ الجزائر' مراکش' فارس میں اس کو مادری زبان ہی بنا دیا۔ مشرق میں البتہ یہ دقت رہی کہ درباری زبان فارسی کو بڑھاتے بڑھاتے اصل زبان کا درس تدریس مشرق سے مفقود ہو گیا۔ میں نے بارہا کوشش کی ہے کہ اگر عام مسلمان اور خاص کر ہمارے امام کی جماعت روزمرہ کے کاموں کے عربی الفاظ کو یاد کر لے تو اسے قرآن شریف کا ایک حصہ یاد ہو جاوے۔ لیکن افسوس سے کہا جاتا ہے کہ اس طرف بہت کم توجہ ہے اور جو یہاں رہتے ہیں وہ بھی پوری توجہ نہیں کرتے۔ لغات القرآن جو یہاں چھپی ہے ایک مفید اور عمدہ کتاب ہے' جو بڑی محنت سے لکھی گئی ہے اور میں نے دیکھا ہے کہ حضرت امامؑ نے بھی اس کی تعریف کی ہے۔ لیکن اس کی طرف توجہ نہیں کی گئی۔ اس کتاب سے فائدہ اٹھایا جاوے تو قرآن شریف کے سمجھنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔

غرض قرآن مجید کی حفاظت کا ایک ذریعہ عربی زبان کی حفاظت بھی ہے اور اس کی طرف مسلمانوں کو توجہ کرنی چاہئے اور خصوصاً ہماری جماعت کو بہت متوجہ ہونا چاہئے۔

میں نے اس نکاح کی تقریب پر اسی سنت متوارثہ پر عمل کرنے کے لئے عربی زبان میں خطبہ پڑھا ہے۔ مگر طرفین ہی ایسے ہیں کہ نہ خطبہ سننے کی ضرورت' نہ کہنے کا موقع۔ ایک طرف حضرت امام علیہ الصلوۃ والسلام ہیں۔ ان کو ہم سنانے نہیں آئے بلکہ ان سے سننے آئے ہیں۔ پس اگر میں تصریح کروں تو میرا نفس مجھے ملامت کرتا ہے۔ ہاں جو کچھ میں عرض کروں گا یا کہا ہے یہ محض حضرت امامؑ کے حکم کی تعمیل ہے۔ عربی زبان کی تائید میں اس لئے کہا ہے کہ اس متوارث سنت کو تمہارے کانوں تک پہنچاؤں جس سے رسول کی زبان محفوظ رہے اور تم قرآن کریم کی ارفع' اطیب زبان میں ترقی کرو۔

اب اس کے بعد میں ان کلمات کا آسان ترجمہ سناتا ہوں جو ابھی میں نے پڑھے ہیں۔

اللہ جلشانہ چونکہ رب ہے اور بے مانگے اس نے نعمتیں دی ہیں اور پھر مقدرت' قوت اور استطاعت بھی اس نے دی ہے اور اس امکان سے جو لَیُمَکِّنَنَّ میں وعدہ دیا ہے اس قدرت سے جو پاک نتیجے مترتب ہوں اس کے فضل سے ہوتے ہیں۔ ہاں اسی کے فضل سے ہوتے ہیں۔ اس کی ربوبیت عامہ' رحم' فضل وسیع اور بلامبادلہ ہے اور وہ رحم جو بالمبادلہ ہے وہ مالکیت چاہتی ہے۔ ان سب نوازشوں اور مہربانیوں پر نگاہ کرکے بے اختیار دل سے نکلتا ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ یعنی سب تعریف اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے۔ مومن تو ہر وقت اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرتا ہے۔ کیا بلحاظ اس کے کہ اس کو پیدا کیا ہے۔ اور یہ ایک عظیم الشان انعام انسان پر ہے کیونکہ ساری خوشیاں اور خوشحالیاں اس کے بعد ملتی ہیں کہ پیدا ہو۔ پھر پیدا بھی اپنے رب کے ہاتھ سے ہوا جو بتدریج کمالات تک پہنچاتا ہے۔ چونکہ وہ فی الواقعہ حمد کا مستحق ہے اس لئے ہم بھی نَحْمَدُہٗ کہتے ہیں۔ یعنی ہم بھی ایسے رب کی حمد میں دلی عقیدت کا اظہار کرتے ہیں۔ بہت سی وجوہات ہیں جو ہم پر حمد الٰہی کو فرض ٹھہراتے ہیں۔ منجملہ جناب الٰہی کی حمدوں کے یہ ہے کہ انسان کا حوصلہ ایسا وسیع نہیں کہ وہ ساری دنیا سے تعلق رکھے اور محبت کر سکے۔ نبیوں اور رسولوں کو بھی جب تباہ کار' سیہ روزگار شریروں نے دکھ دیا تو آخر ان میں سے ایک بول اٹھا رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا (نوح:۲۷)۔ فی الحقیقت ان پر ایک وقت ایسا آتا ہے کہ وہ شریر نفوس کی حیاتی بھی پسند نہیں کرتے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ انسان کا اتنا حوصلہ کہاں ہو سکتا ہے کہ سارے جہان سے اس کا مخلصانہ تعلق ہو۔ پس اس سلسلہ کو وسیع کرنے کے باوجود محدود کرنے کے لئے نکاح کا ایک طریق ہے جس سے ایک خاندان اور قوم میں ان تعلقات کی بناء پر رشتہ اخلاص اور محبت پیدا ہوتا ہے۔

نکاح میں جو تعلق خسر کو داماد سے ہوتا ہے یا فرزندانہ تعلقات داماد کو خسر سے ہوتے ہیں وہ دوسرے کو نہیں ہوتے۔ یہ سچی بات ہے کہ وہ تعلق جو صلبی اولاد اور داماد کے ساتھ ہو سکتا ہے اس میں سارا جہان کبھی شریک نہیں ہو سکتا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے شعوب اور قبائل بنائے ہیں اور قوم در قوم بنا کر محبت کے تعلق اور سلسلہ کو وسیع کر دیا ہے۔ اسی لئے جو لوگ نکاح نہیں کرتے احادیث میں ان کو بطال کہا گیا ہے کیونکہ ان کے تعلقات نوع انسان کے ساتھ سچے تعلقات نہیں ہو سکتے۔ مگر جن کے تعلقات سچے اور اسلام پر مبنی ہیں وہ جانتے ہیں کہ رشتہ کے سبب سے مخفی در مخفی محبت کا تعلق بڑھتا جاتا ہے۔ اور پھر اولاد کی وجہ سے یہ تعلقات اور بھی بڑھتے ہیں اور اس طرح پر یہ دائرہ وسیع ہوتا جاتا ہے۔ ایسا ہی رنج'

مصیبت میں یار، غمگسار اور ایسے احباب کی ضرورت ہے جو اس میں شریک ہو کر اسے کم کریں۔ ان صورتوں میں اس قسم کے تعلقات اور روابط مفید ہیں۔ ان ساری باتوں پر جب ہم غور کرتے ہیں تو پھر بے اختیار نَحْمَدُہٗ کہتے ہیں۔

اس حمد کے بھی مختلف رنگ ہیں۔ یہاں ہی دیکھو کہ کچھ لڑکے ہیں۔ وہ صرف اسی لئے جمع ہیں کہ کچھ چھوہارے ملیں گے۔ ان کا اَلْحَمْدُ اپنے ہی رنگ کا ہے۔ یہ بھی ایک مرتبہ ہے اور عوام اور بچوں کا یہیں تک علم ہے۔ ایک وہ ہیں جنہوں نے اَلْحَمْدُ ہی سے نبوتوں کو ثابت کیا اور مذاہب باطلہ کا رد کیا ہے۔ تین مرتبہ میں نے حضرت صاحب کی تفسیر اَلْحَمْدُ پڑھی ہے۔ ایک براہین میں، پھر کرامات میں اور پھر اعجاز المسیح میں۔ اسے پڑھ کر معلوم ہوتا ہے کہ اَلْحَمْدُ کا اعلیٰ مقام وہ ہے جہاں یہ پہنچے ہیں۔ یہ بھی اَلْحَمْدُ کے ایک معنے ہیں اور ایک متوسط لوگ ہیں۔ میں بھی ان میں ہی ہوں۔ یہ اپنے رنگ میں اَلْحَمْدُ کے معنے سمجھتے ہیں اور ان کی حمد اپنے رنگ کی ہے۔ یہاں ناطے رشتے ہوتے ہیں اور ان تقریبوں پر مجھے حضرت امامؑ کے حکم سے موقع ملتا ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کروں۔ اس لئے میں اس فضل پر ہی حمد الٰہی کرتا ہوں۔ میں یوں تو عجیب عجیب رنگوں میں حمد کرتا ہوں مگر اس وقت کے حسب حال یہی وجہ ہے جو میں نے بیان کی ہے اور یہ معمولی فضل نہیں ہے مگر یہ توفیق اور فضل اللہ ہی کی مدد سے ملتا ہے۔ اس لئے نَسْتَعِیْنُہٗ ہم اسی کی مدد چاہتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کی مدد ہی شامل حال ہو تو بات بنتی ہے ورنہ واعظ میں ریاء، سمعت، دنیا طلبی پیدا ہو سکتی ہے۔ اور وہ خدا تعالیٰ کو چھوڑ کر عاجز مخلوق کو اپنا معبود اور محبوب بنالیتا ہے جب اس کے دل میں مخلوق سے اپنے کلام اور وعظ کی داد کی خواہش پیدا ہو۔ واعظ کے لئے یہ امر سخت مہلک ہے۔ پس میں خدا کی حمد کرتا ہوں اور اسی کے فضل سے حمد کرتا ہوں کہ اس نے محض اپنے فضل، ہاں اپنے فضل ہی سے مجھے مخلوق سے مستغنی کر دیا ہے۔

یہ بات بھی یاد رکھنی چاہئے کہ خدا تعالیٰ کی مدد کب ملتی ہے؟ یہ مدد اس وقت ملتی ہے جب انسان میں بدی نہ ہو۔ بدکار ایک وقت نیکی بھی کر سکتا ہے مگر نیکی اور بدی کی میزان اور ہر ایک کی کثرت اور قلت اسے نیک یا بد ٹھہراتی ہے۔ نیکیاں بہت ہوں تو نیک اور بدیاں زیادہ ہوں تو بدکار کہلاتا ہے۔ بدی چونکہ بدی ہے اور درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے اس لئے جب حمد الٰہی کی توفیق اور جوش پیدا نہ ہو یا اللہ تعالیٰ کی مدد اور نصرت نہ ملے تو ایسی حالت میں ڈرنا چاہئے اور سمجھ لینا چاہئے کہ بدیاں بڑھ گئی ہیں۔ اس کا علاج کرنا چاہئے اور وہ علاج کیا ہے؟ اِسْتِغْفَار۔ اس لئے فرمایا نَسْتَغْفِرُہٗ۔ اللہ تعالیٰ کے وسیع

قانون اور زبردست حکم اس قسم کے ہیں کہ انسان بعض بدیوں اور کمزوریوں کی وجہ سے بڑے بڑے فضلوں سے محروم رہ جاتا ہے۔ جب انسان کوئی غلطی کرتا ہے اور خدا تعالیٰ کے کسی حکم اور قانون کی خلاف ورزی کرتا ہے تو وہ غلطی اور کمزوری اس کی راہ میں روک ہو جاتی ہے اور یہ عظیم الشان فضل اور انعام سے محروم کیا جاتا ہے۔ اس لئے اس محرومی سے بچانے کے لئے یہ تعلیم دی کہ استغفار کرو۔ استغفار انبیاء علیہم السلام کا اجماعی مسئلہ ہے۔ ہر نبی کی تعلیم کے ساتھ اِسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ (ھود:۴) رکھا ہے۔ ہمارے امام کی تعلیمات میں جو ہم نے پڑھی ہیں استغفار کو اصل علاج رکھا ہے۔

استغفار کیا ہے؟ پچھلی کمزوریوں کو جو خواہ عمداً ہوں یا سہواً' غرض مَاقَدَّمَ وَمَاأَخَّرَ جو نہ کرنے کا کام آگے کیا اور جو نیک کام کرنے سے رہ گیا ہے' اپنی تمام کمزوریوں اور اللہ تعالیٰ کی ساری نارضامندیوں کو مَااَعْلَمُ وَمَالَااَعْلَمُ کے نیچے رکھ کر آئندہ کے لئے غلط کاریوں کے بدنتائج اور بداثر سے محفوظ رکھ اور آئندہ کے لئے ان بدیوں کے جوش سے محفوظ فرما۔ یہ ہیں مختصر معنی استغفار کے۔

پھر ایک اور بات بھی قابل غور ہے۔ حضرت امامؑ نے اس زمانہ کو امن کے لحاظ سے نوح کا زمانہ کہا ہے۔ حضرت نوحؑ نے جب اپنی قوم کو وعظ کیا اور خدا تعالیٰ کا پیغام اسے پہنچایا تو کیا کہا؟ اِسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا۔ يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا۔ وَ يُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّ بَنِيْنَ وَ يَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّ يَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا (نوح:۱۱تا۱۳)۔

استغفار کے برکات اور نتائج ان آیات میں حضرت نوح علیہ السلام نے انسانی ضروریات کی جہت سے بیان فرمائے ہیں۔ غور کر کے دیکھ لو کیا انسان کو انہیں چیزوں کی ضرورت دنیا میں نہیں ہے؟ پھر ان کے حصول کا علاج استغفار ہے۔

امن کے زمانہ میں چیزوں میں گرانی ہوتی ہے اور یہ امن کے لئے لازمی امر ہے۔ نادان کہتا ہے ایک وقت روپیہ کا من بھر گیہوں ہوتا تھا اور پانچ سیر گھی۔ وہ نہیں سمجھتا کہ وہ امن کا زمانہ نہ تھا۔ اس لئے تبادلہ تجارت کے لئے لوگ گھر سے مال نکال نہ سکتے تھے۔ اور جب امن ہوتا ہے تو تبادلہ اشیاء کی وجہ سے اموال بڑھ جاتے ہیں اور اس کے ساتھ ہی فضولیاں بھی بڑھتی ہیں۔

غرض استغفار ایسی چیز ہے جو انسان کی تمام مشکلات کے حل کے لئے بطور کلید ہے۔ اس لئے خدا تعالیٰ کی حمد اور اس کی استعانت کے لئے استغفار کرو۔ مگر استغفار بھی اس وقت ہوتا ہے جب اللہ تعالیٰ پر ایمان ہو۔ اس لئے فرمایا۔ وَنُؤْمِنُ بِهٖ اور ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہیں کہ وہ جمیع صفات کاملہ سے موصوف اور تمام بدیوں سے منزہ ہے۔ وہ اپنی ذات میں' اپنی صفات میں' اسماء اور محامد اور افعال

میں وحدہ لاشریک ہے۔ وہ اپنی ذات میں یکتا' صفات میں بے ہمتا اور افعال میں لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ (الشوریٰ:۱۲) اور بے نظیر ہے۔ اور اس بات پر بھی ایمان لاتے ہیں کہ وہ ہمیشہ اپنی رضامندی اور نارضامندی کی راہوں کو ظاہر کرتا رہا ہے اور ملائکہ کے ذریعہ اپنا کلام پاک اپنے نبیوں اور رسولوں کو پہنچاتا رہا ہے۔ اور اس کی بھیجی ہوئی کتابوں میں آخری کتاب قرآن شریف ہے جس کا نام فضل' شفاء' رحمت اور نور ہے اور آخری نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو خاتم النبیین ہیں اور اب کوئی نبی اور رسول آپؐ کے سوا نہیں ہو سکتا۔ اس وقت بھی جو آیا وہ آپ کا خادم ہو کر آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ پر ایمان کا یہ خلاصہ ہے۔

ایمان باللہ جب کامل ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ ہو' اس لئے یہ تعلیم دی وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ اور ہم اللہ تعالیٰ پر بھروسہ اور توکل کرتے ہیں۔ توکل سے یہ مطلب ہے کہ ہم میں یہ بات پیدا ہو کہ اللہ تعالیٰ نے جو چیزیں جس مطلب اور غرض کے لئے بنائی ہیں وہ اپنے نتائج اور ثمرات اپنے ساتھ ضرور رکھتی ہیں۔ اس لئے اس پر ایمان ہونا چاہئے کہ لابد ایمان کے ثمرات اور نتائج ضرور حاصل ہوں گے اور کفر اپنے بد نتائج دیئے بغیر نہ رہے گا۔ انسان بڑی غلطی اور دھوکا کھاتا ہے جب وہ اس اصل کو بھول جاتا ہے۔ اعمال اور اس کے نتائج کو ہرگز ہرگز بھولنا نہیں چاہئے۔ سعی اور کوشش کو ترک نہیں کرنا چاہئے۔

یہ سب کچھ بھی ہو مگر اصل بات یہ ہے کہ انسان اپنی کمزوریوں پر پوری اطلاع نہیں رکھتا اور اندرونی بدیوں میں ایسا مبتلا ہو جاتا ہے جو حبط اعمال ہو جاتا ہے اور اصل مقصد سے دور جا پڑتا ہے۔ شیطان انسان کو عجیب عجیب راہوں سے گمراہ کرتا ہے اور نفس ایسے دھوکے دیتا ہے اس لئے یہ تعلیم دی
نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّاٰتِ اَعْمَالِنَا (مسلم۔ ترمذی کتاب النکاح باب خطبة النکاح)
یعنی ہم اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتے ہیں۔ بڑی پناہ اور معاذ اللہ تعالیٰ ہی کی پناہ ہے جو ساری قوتوں اور قدرتوں کا مالک ہے اور ہر نقص سے پاک اور ہر کامل صفت سے موصوف ہے۔ کس بات سے پناہ چاہتے ہیں؟ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا انسان کی اندرونی بدیاں اور شرارتیں اس کو ہلاک کر دیتی ہیں۔ مثلاً شہوت کے مقابلہ میں زیر ہو جاتا ہے اور ترک عفت کرتا ہے۔ بد نظری اور بدکاری کا مرتکب ہو جاتا ہے۔ رحم کو چھوڑتا ہے اور غضب کو اختیار کرتا ہے اور کبھی قناعت کو جو سچی خوش حالی کا ایک بڑا ذریعہ ہے' چھوڑ کر حرص و طمع کا پابند ہوتا ہے۔ غرض یہ نفس کا شر عجب قسم کا شر ہے۔ اس کے پنجہ میں گرفتار ہو کر انسان بدی کو نیکی اور نیکی کو بدی بنا لیتا ہے اور ہر شخص کو اس کے حسب حال دھوکا دیتا ہے۔ مولویوں کو ان کے

رنگ میں اور میرے جیسے انسان کو اپنے رنگ میں۔ غرض عجیب عجیب امتحان ہوتے ہیں۔ تعوذ ایسا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو تعوذ پر ختم فرمایا ہے۔ اس لئے کبھی اس سے غافل نہیں رہنا چاہئے۔

نفس کا شر اور اعمال کا شر اس کے بدنتائج ہوتے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کی پناہ میں انسان نہ آ جاوے تو وہ ہلاک ہو جاتا ہے اور پھر کوئی اسے بامراد نہیں کر سکتا اور نہ بچا سکتا ہے۔ اسی طرح اخلاص اور نیکی کے ثمرات نیک ہوتے ہیں۔ ایسے شخص کو جب وہ اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آ جاتا ہے کوئی ہلاک نہیں کر سکتا۔ اس لئے فرمایا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَ مَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ۔

ان سب باتوں کا خلاصہ یہ ہے۔ وَ نَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَ نَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ۔

یہ خلاصہ اور اصل عظیم الشان اصل ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اپنا معبود، محبوب اور مطاع نہ بناؤ۔ اور زبان، آنکھ، کان، ہاتھ، پاؤں غرض کل جوارح اور اعضاء اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں لگے ہوئے ہوں۔ کوئی خوف اور امید مخلوق سے نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار بنیں اور اس کے حکم کے مقابل کسی اور حکم کی پروا نہ کریں۔ فرمانبرداری کا اثر اور امتحان مقابلہ کے وقت ہوتا ہے۔ ایک طرف قوم اور رسم و رواج بلاتا ہے، دوسری طرف خدا تعالیٰ کا حکم ہے۔ اگر قوم اور رسم و رواج کی پروا کرتا ہے تو پھر اس کا بندہ ہے۔ اور اگر خدا تعالیٰ کی فرمانبرداری کرتا ہے اور کسی بات کی پروا نہیں کرتا تو پھر خدا تعالیٰ پر سچا ایمان رکھتا ہے اور اس کا فرمانبردار ہے اور یہی عبودیت ہے۔ قرآن مجید نے اسلام کی یہی تعریف کی ہے مَنْ اَسْلَمَ وَجْھَہٗ لِلّٰہِ وَ ھُوَ مُحْسِنٌ (البقرہ:۱۱۳)۔ سچی فرمانبرداری یہی ہے کہ انسان کا اپنا کچھ نہ رہے۔ اس کی آرزوئیں اور امیدیں، اس کے خیالات اور افعال سب کے سب اللہ تعالیٰ ہی کی رضا اور فرمانبرداری کے نیچے ہوں۔ میرا اپنا تو یہ ایمان ہے کہ اس کا کھانا پینا، چلنا پھرنا، سب کچھ اللہ ہی کے لئے ہو تو مسلمان اور بندہ بنتا ہے۔

خدا تعالیٰ کی فرمانبرداری اور رضامندی کی راہوں کو بتانے والے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ چونکہ ہر شخص کو مکالمہ الٰہیہ کے ذریعہ الٰہی رضامندیوں کی خبر نہیں ہوتی، اگر کسی کو ہو بھی تو اس کی وہ حفاظت اور شان نہیں ہوتی جو خدا تعالیٰ کے ماموروں اور مرسلوں کی وحی کی ہوتی ہے اور خصوصاً سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی کہ جس کے دائیں بائیں آگے پیچھے ہزاروں ہزار ملائکہ حفاظت کے لئے ہوتے ہیں۔ اس لئے کامل نمونہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں اور وہی مقتدا اور مطاع ہیں۔ پس

ہر ایک نیکی تب ہی ہو سکتی ہے کہ جب وہ اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہو اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کے نیچے ہو۔

اس کے بعد میں نے کچھ آیتیں پڑھی ہیں۔ ان میں عام لوگوں کو نصیحت ہے کہ نکاح کیوں ہوتے ہیں اور نکاح کرنے والوں کو کن امور کا لحاظ رکھنا چاہیئے؟

مخلوق کو اللہ تعالیٰ نے معدوم سے بنایا ہے اور یہ شان ربوبیت ہے۔ نکاح بھی ربوبیت کا ایک مظہر ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یٰاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ (النساء:۲)۔

یہ ایک سورۃ کا ابتداء ہے۔ اس سورۃ میں معاشرت کے اصولوں اور میاں بیوی کے حقوق کو بیان کیا گیا ہے۔ یہ آیتیں نکاح کے خطبوں میں پڑھی جاتی ہیں اور غرض یہی ہوتی ہے کہ تا ان حقوق کو مدنظر رکھا جاوے۔ اس سورۃ کو اللہ تعالیٰ نے یٰاَیُّهَا النَّاسُ سے شروع فرمایا ہے۔ اَلنَّاسُ جو انس سے تعلق رکھتا ہے تو میاں بیوی کا تعلق اور نکاح کا تعلق بھی ایک انس ہی کو چاہتا ہے تا کہ دو اجنبی وجود متحد فی الارادہ ہو جائیں۔ غرض فرمایا۔ لوگو! تقویٰ اختیار کرو۔ اپنے رب سے ڈرو۔ وہ رب جس نے تم کو ایک جیسے بنایا اور اسی جنس سے تمہاری بیوی بنائی اور پھر دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پیدا کیں۔ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا سے یہ مراد ہے کہ اسی جنس کی بیوی بنائی۔

اس آیت میں اِتَّقُوْا رَبَّكُمْ جو فرمایا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نکاح کی اصل غرض "تقویٰ" ہونی چاہئے اور قرآن مجید سے یہی بات ثابت ہے۔ نکاح تو اس لئے ہے کہ "احصان" اور "عفت" کی برکات کو حاصل کرے۔ مگر عام طور پر لوگ اس غرض کو مدنظر نہیں رکھتے بلکہ وہ دولتمندی، حسن و جمال اور جاہ و جلال کو دیکھتے ہیں مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عَلَیْكَ بِذَاتِ الدِّیْنِ (بخاری کتاب النکاح باب الاکفاء فی الدین)۔ بہت سے لوگ خدوخال میں محو ہوتے ہیں جن میں جلد تر تغیر واقع ہو جاتا ہے۔ ڈاکٹروں کے قول کے موافق تو سات سال کے بعد وہ گوشت پوست ہی نہیں رہتا۔ مگر عام طور پر لوگ جانتے ہیں کہ عمر اور حوادث کے ماتحت خدوخال میں تغیر ہوتا رہتا ہے اس لئے یہ ایسی چیز نہیں جس میں انسان محو ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کی اصل غرض تقویٰ بیان فرمائی۔ دیندار ماں باپ کی اولاد ہو۔ دیندار ہو۔ پس تقویٰ کرو اور رحم کے فرائض کو پورا کرو۔ میں تمہارے لئے نصیحتیں کرتا ہوں۔ یہ تعلق بڑی ذمہ داری کا تعلق ہے۔ میں نے دیکھا ہے کہ بہت سے نکاح جو اغراض حسب پر ہوتے ہیں ان سے جو اولاد ہوتی ہے وہ ایسی نہیں ہوتی جو اس کی روح اور زندگی کو بہشت کر کے

دکھائے۔ ان ساری خوشیوں کے حصول کی جڑ تقویٰ ہے اور تقویٰ کے حصول کے لئے یہ گر ہے کہ
19. اللہ تعالیٰ کے "رقیب" ہونے پر ایمان ہو۔ چنانچہ فرمایا۔ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا (النساء:۲) جب تم
یہ یاد رکھو گے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے حال کا نگران ہے تو ہر قسم کی بے حیائی اور بدکاری کی راہ سے جو
تقویٰ سے دور پھینک دیتی ہے بچو گے۔

دوسری آیت یہ ہے۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ قُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا (الاحزاب:۷۱)۔ اس میں بھی اللہ تعالیٰ تقویٰ کی ہدایت فرماتا ہے اور ساتھ ہی حکم دیتا ہے کہ پکی باتیں کہو۔ انسان کی زبان بھی ایک عجیب چیز ہے جو گاہے مومن اور گاہے کافر بنا دیتی ہے۔ معتبر بھی بنا دیتی ہے اور بے اعتبار بھی کر دیتی ہے۔ اس لئے حکم ہوتا ہے کہ اپنے قول کو مضبوطی سے نکالو خصوصاً نکاحوں کے معاملہ میں۔ اس معاملہ میں پوری سوچ بچار اور استخاروں سے کام لو اور پھر مضبوطی سے اسے عمل میں لاؤ۔ جب تم پوری کوشش کرو گے تو اس کا نتیجہ یہ ہو گا يُصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ (الاحزاب:۷۲) تمہارے سارے کام اصلاح پذیر ہو جائیں گے۔ تمہاری غلطی کو جناب الٰہی معاف کر دیں گے۔ کیونکہ جب تقویٰ ہو تو اعمال کی اصلاح کا ذمہ وار اللہ تعالیٰ ہو جاتا ہے۔ اور اگر نافرمانی ہو تو وہ معاف کر دیتا ہے۔ ان معاملات نکاح میں عجیب در عجیب کہانیاں سنائی جاتی ہیں اور دھوکا دیا جاتا ہے۔ خدا تعالیٰ ہی کا فضل ہو تو کچھ آرام ملتا ہے۔ ورنہ چالاکی سے کام کیا ہو اور دنیا میں بہشت نہ ہو۔[1] پھر فرمایا ہے۔ بہت لوگ پاس ہونے کے لئے تڑپتے ہیں۔ وہ یاد رکھیں کہ اصل بات تو یہ ہے کہ جو اللہ اور رسول کا مطیع ہوتا ہے وہ ہی حقیقی بامراد ہوتا اور یہی حقیقی پاس ہے۔

پھر اس معاملہ میں تیسری آیت یہ ہے۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ لْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ (الحشر:۱۹)۔

اس تیسری آیت میں بھی تقویٰ کی تاکید ہے کہ تقویٰ اللہ اختیار کرو اور ہر ایک جی کو چاہئے کہ بڑی توجہ سے دیکھ لے کہ کل کے لئے کیا کیا؟ جو کام ہم کرتے ہیں ان کے نتائج ہماری مقدرت سے باہر چلے جاتے ہیں۔ اس لئے جو کام اللہ کے لئے نہ ہو گا تو وہ سخت نقصان کا باعث ہو گا۔ لیکن جو اللہ کے لئے ہے تو وہ ہمہ قدرت اور غیب دان خدا جو ہر قسم کی طاقت اور قدرت رکھتا ہے اس کو مفید اور مثمر ثمراتِ حسنہ بنا دیتا ہے۔ یہ سب باتیں تقویٰ سے حاصل ہوتی ہیں۔

---
[1] نقل مطابق اصل

اس وقت جو مجمع ہے میں اس کی خوشی کا اظہار کروں تو بعض نادان بد ظنی کریں گے مگر بد ظنیاں تو ہوتی ہی ہیں مجھے ان کی پروا نہیں اور میں کسی رنگ میں مخلوق کی پروا کرنا اپنے ایمان کے خلاف یقین کرتا ہوں۔ یہ امر اخلاص اور اسلام کے خلاف ہے۔ پس میں صاف طور پر کہتا ہوں کہ اس تقریب کی وجہ سے مجھے بہت ہی خوشی ہے اور کئی رنگوں میں خوشی ہے۔ نواب محمد علی خاں میرے دوست ہیں۔ یہ نہ سمجھو کہ اس وجہ سے دوست ہیں کہ وہ خانصاحب یا نواب صاحب یا رئیس ہیں۔ میں نے کسی دنیوی غرض کے لئے ایک سیکنڈ سے بھی کم وقفہ کے لئے کبھی ان سے دوستی نہیں کی۔ وہ خوب جانتے ہیں اور موجود ہیں۔ مجھے ان کے ساتھ جس قدر محبت ہے محض خدا کے لئے ہے۔ کبھی بھی نہ ظاہری طور پر اور نہ باطنی طور پر ان کی محبت میں کوئی غرض نہیں آئی۔ ایک زمانہ ہوا میں نے ان سے معاہدہ کیا تھا کہ آپ کے دکھ کو دکھ اور سکھ کو سکھ سمجھوں گا اور اب تک کوئی غرض اس معاہدہ کے متعلق میرے واہمہ میں نہیں گزری۔ ان کا یہ رشتہ کا تعلق حضرت امام علیہ السلام سے ہوتا ہے۔ یہ سعادت اور فخر ان کی خوش قسمتی اور بیدار بختی کا موجب ہے۔ ان کے ایک بزرگ تھے شیخ صدر جہاں (علیہ الرحمۃ)' ایک دنیادار نے ان کو نیک سمجھ کر اپنی لڑکی دی تھی۔ مگر یہ خدا تعالیٰ کے فضل کا نتیجہ ہے اور اس کی نکتہ نوازی ہے کہ آج محمد علی خاں کو سلطان دین نے اپنی لڑکی دی ہے۔ یہ اس بزرگ مورث سے زیادہ خوش قسمت ہیں۔ یہ میرا علم' میرا دین اور ایمان بتاتا ہے کہ حضرت صدر جہاں سے زیادہ خوش قسمت ہیں۔

میں نہیں جانتا کہ میری قوم کیا ہے؟ مگر میرا علم بتاتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اولاد ہوں۔ حضرت عمرؓ میرے جد امجد بڑے مہروں کو پسند نہیں کرتے تھے۔ مگر ایک مرتبہ جب ایک عورت نے کہا۔ اَلْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ (ال عمران:۱۵) بھی مہر ہو۔ خدا نہیں روکتا تو عمرؓ کون روکنے والا ہے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ عمر سے تو مدینہ کی عورتیں بھی افقہ ہیں۔ پس ایک فاروقی کے منہ سے اس وقت ۵۶ ہزار کے مہر کو خفیف سمجھنا ضرور قابل غور ہے۔ کیا میرے جیسے آدمی کا مہر اتنا باندھا جا سکتا ہے جس نے آیا تو کھالیا' کپڑا مل گیا تو پہن لیا۔ اس کا مہر تو اسی حیثیت کا جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر ایک صحابی کو کہا کہ تیرے پاس کچھ ہے؟ اس نے جواب دیا نہیں۔ پھر آپؐ نے فرمایا کہ اچھا! لوہے کی انگوٹھی ہی لے آ۔ جب اس نے اس سے بھی انکار کیا اور کہا کہ صرف تہ بند ہے تو اس کا مہر بِمَا مَعَكَ مِنَ الْقُرْاٰنِ (بخاری کتاب النکاح باب السلطان ولی) فرمایا۔ فقہاء نے اس پر اختلاف کیا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ تیری قرآن دانی کے بدلے اور بعض کہتے ہیں کہ قران کی

تعلیم دینے کے لئے۔ بہرحال مہروں کا اندازہ انسان کے حالات پر ہوتا ہے۔ چار سو درہم یا دو سو درہم یا پانچ سو ٹکا سلطانی یہ کوئی شرعی حدود یا قیود نہیں ہیں۔ پس جو لوگ کل کی بات کو غور سے سوچتے ہیں ان کو اور بھی مشکلات ہوتے ہیں۔ بہرحال حضرت صاحب نے تمام امور کو مد نظر رکھ کر ۵۶ ہزار تجویز فرمایا ہے اور میری اپنی سمجھ میں یہ مہر ان حالات کے ماتحت جو خوانین کے ہاں پیش آتے ہیں کچھ بھی نہیں اور بہت تھوڑی رقم ہے۔ تاہم حضرت صاحب نے بڑی رضامندی سے اس مہر پر مبارکہ بیگم کا نکاح کر دینا قبول فرمایا۔ اس سے یہ اجتہاد نہیں ہو سکتا کہ نور دین جیسے کا بھی یہی مہر ہو۔ مہر حالات کے لحاظ سے ہوتا ہے۔

اس کے بعد ایجاب و قبول ہوا اور حضرت اقدس ؑ نے دعا فرمائی۔

(الحکم جلد ۱۲ نمبر ۱۵--- ۲۶ ر فروری ۱۹۰۸ء صفحہ ۱ تا ۵)

(بدر جلد ۷ نمبر ۹--- ۵ ر مارچ ۱۹۰۸ء صفحہ ۳ تا ۶)

☆-☆-☆-☆